ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کرشن چندر کا ڈراما ”دروازے کھول دو“ میں قومی یک جہتی اور ملی اتحاد

Krishan Chander's drama "Darwazei khul do " symbol of national unity and integrity

شمائلہ بی بی

پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ڈاکٹر طاہر عباس طیب

استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Abstract

In the 20th century, when Urdu literature suffered from various movements and trends and the writers of that period focused on different genres of literature, then attention was also drawn to dramaturgy. Therefore, where the progressive writers brought fiction to its peak, there was also a lot of work on dramaturgy. Apart from Manto and Bedi, an important name in this regard is that of Krishan Chander, who promoted Urdu drama in addition to novels and fiction. At that time, Krishan Chander did not act with bigotry but fulfilled his duty by working with the principles of humanity. The chaos of that time, the flames of Hindu-Muslim riots, the cruelty of the British, the blood of humanity, the thirst for each other's lives, all kinds of filth remind us of this era. When the whole of Asia was burning, Krishan Chander was giving the message of peace to the people. Sometimes, while reading his writings, it seems that he has made his writing a reality while walking in the dust of the streets and roads and has put it on paper after assessing the condition of the people. The secret of the greatness of Krishan Chander's art lies in his distinctive style of expression. He brings life to the drama due to his effective style. There are all kinds of characters in his plays. The popular drama "Darwazei khul do "which is the theme of national unity. The theme Krishan Chander focuses on in this play is very important for the integrity of our country.

Key words: Dramaturgy, Krishan Chander, Promoted, Urdu Drama, Principles of Humanity, Message of Peace, Reality, Distinctive Style of Expression, Theme of National Unity & Integrity.

آزادی کے بعد اردو ادب میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں یہی وجہ ہے کہ یہ ایک خاص اضافہ ہے۔ ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں نے حقیقت پسندانہ تحریر کے ذریعے بہترین ادب تخلیق کر کے انسانیت کا سبق پیش کیا ہے۔ اردو میں ڈرامانگاری کی روایت بہت پرانی ہے۔ اردو ڈرامے کے ابتدائی آثار انیسویں صدی کے درمیانی دور سے ملتے ہیں جب نواب واجب علی نے رہس کو اپنے دربار میں پیش کیا۔ اس کے بعد کے دور میں امانت لکھنوی، آغا حشر کاشمیری، طالب بنارسی، مہدی حسن اور احسن لکھنوی ڈرامے کی ترقی میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو ادب بیسویں صدی میں متعدد تحریکوں اور رجحانات کا شکار ہوا اور اسی دور کے اکابرین نے ادب کی مختلف اصناف پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرامانگاری کی طرف بھی گہری نظر ڈالی۔ لہذا ترقی پسند ادیبوں نے جس طرح افسانہ صنف کو بلندی پر پہنچایا اسی طرح ڈراما پر بھی بے شمار کام کیا۔ منٹو اور بیدی کے علاوہ اس سلسلے میں ایک اور نام کرشن چندر کا بھی ہے جنہوں نے ناولوں اور افسانوں کے ساتھ کئی معیاری ڈرامے تخلیق کیے۔ اس ڈرامے میں کرشن چندر نے تعصب پرستی سے کام نہیں لیا بلکہ انسانیت کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنا فرض پورا کیا۔ اس وقت کا انتشار، ہندو مسلم فسادات کے شعلے، انگریزوں کا ظلم، انسانیت کا خون، ایک دوسرے کی جان کی پیاس، ہر قسم کی غلاظت ہمیں اس دور کی یاد دلاتی ہے۔ جب پورا ایشیا جل رہا تھا کرشن چندر لوگوں کو امن کا پیغام دے رہے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ کمزور طبقے کے حق میں آواز بلند کی۔ کسانوں اور مزدوروں پر مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنے حقوق اور آزادی کا مطالبہ کریں۔ انہوں نے نہ صرف اپنی تحریروں کے ذریعے لوگوں میں مقبولیت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

حاصل کی بلکہ وہ بھنگیوں کی انجمن کے صدر بھی رہے۔ بھگت سنگھ کے ساتھ جیل کی سختیاں جھیلیں اور تلنگانہ تحریک کے دوران بھی جیل جانے سے پیچھے نہ ہٹے۔ کبھی کبھی ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ انہوں نے گلیوں اور سڑکوں کی دھول میں چلتے ہوئے اپنی تحریر کو حقیقت کا روپ دیا ہے اور لوگوں کی حالت کا اندازہ لگا کر کاغذ پر اتارا ہے۔ کرشن چندر کے فن کی عظمت کا راز ان کے مخصوص اسلوب بیان میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے موثر انداز کی وجہ سے ڈرامے میں جان ڈال دیتے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں ہر طرح کے کردار ہیں۔ ان کے ڈرامے بے مثال ہیں۔ ڈراما "دروازے کھول دو" کا موضوع قومی یکجہتی ہے۔ مصنف نے اس ڈرامے میں جس نقطہ پر توجہ مرکوز کی ہے وہ ہمارے وطن کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں خواجہ احمد عباس تحریر کرتے ہیں کہ :

> ''دروازے کھول دو جیسا اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے قومی یک جہتی کے مسئلے کو سیاسی اور جذباتی سطح سے ہٹا کر ایک بنیادی انسانیت اور عقلیت کی سطح پر لے آیا ہے۔ لیکن کرشن چندر لیکچر نہیں دیتا، تبلیغ نہیں کرتا، صرف تعصبات کے بھاری بھر کم غباروں میں پن چبھا کر ان کی ہوا نکال دیتا ہے۔ ان کا کھوکھلا پن عیاں کر دیتا ہے۔ یہ تعصبات وہ بھی ہیں، جو جنوب اور شمال کے درمیان وندھیاچل بنے کھڑے ہیں۔ یہ تعصبات ہی ہیں جن کی وجہ سے ہندوستانی قومی احساس کی تشکیل پوری طرح سے نہیں ہو سکی اور اس نے ان کا بھانڈا پھوڑ کر ان کی بے بنیاد حیثیت کو ظاہر کر کے کرشن چندر نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" (1)

زیر بحث ڈراما کرشن چندر کا ایک شاہکار ہے۔ اسے 1852ء کے آس پاس قومی یک جہتی تحریک کے پیش نظر لکھا گیا۔ اور کتابی شکل میں پہلی بار جون 1963ء میں دہلی یونیورسٹی نے شائع کیا۔ یہ ڈراما اپنی اشاعت سے پہلے ہی کافی مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ اور یہ ملک کے کئی شہروں میں کئی بار پیش کیا گیا۔ یہ پہلی بار انجمن ترقی اردو ممبئی کی طرف سے قومی یکجہتی تحریک کے سلسلے میں پیش کیا گیا۔

ڈرامے کا پلاٹ یہ ہے کہ پنڈت رام دیال دہلی میں ایک نئی تعمیر شدہ وسیع و عریض عمارت کمل کنج کے مالک ہیں۔ اس کی شہر میں دوسری عمارتیں ہیں۔ جو انہوں نے کرائے پر دے رکھی ہیں۔ کمل کنج (عمارت) جسے حال ہی میں تعمیر کیا گیا ہے۔ بلکہ کچھ حصوں میں تھوڑا سا کام ہو رہا ہے۔ اس کے مالک نے فلیٹ کرایہ پر دینے کے لیے کچھ دلال بھی مقرر کیے ہیں۔ جو اس کے پاس گاہک لاتے ہیں۔ تاہم سیٹھ رام لال نے فلیٹ کرائے پر دینے کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں۔ انہیں پورا کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ بہت سخت قسم کا برہمن ہے۔ وہ کسی مسلمان یا ہندو کو فلیٹ نہیں دیتا جو شراب پیتا ہے یا گوشت، مچھلی، پیاز اور لہسن وغیرہ کھاتا ہے، وہ اردو بولنے والوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ وہاں سے واپس چلے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ایک سائنسدان اور اس کی بیوی کا ذکر آتا ہے جنہیں مکان حاصل کرنے کے لیے اپنا نام اور مذہب تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کے بچے کی وجہ سے سارا راز فاش ہو جاتا ہے۔ اس لیے انہیں واپس جانا پڑتا ہے۔ سیٹھ رام دیال کا بیٹا، جو ولایت سے بیرسٹر بن کر آیا ہے، اپنے والد کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتا ہے، لیکن وہ ان کی بات نہیں مانتا۔ اسی طرح ایک پشاوری ہندو پٹھان اور اس کی بیوی منشی ارشاد حسین، میاں منن، یہ لوگ بھی رام دیال کی شرائط کو نہیں مانتے۔ سیٹھ کا مدراسی دلال رنگا چاری ایک مدراسی سیٹھ دیلو کو لاتا ہے لیکن وہ بھی اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا ہے۔ آخر میں ایک عیسائی ڈاکٹر اور اس کی بیٹی بلو وہاں آتے ہیں۔ بلو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے کمل (سیٹھ رام دیال کا بیٹا) کو متاثر کرتی ہے۔ کیونکہ وہ بہت رنگین مزاج ہے اور انہیں فلیٹ دے دیتا ہے۔ لیکن جب رام دیال آتا ہے تو یہ واقعہ دیکھ کر اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں باپ بیٹی عیسائی ہیں۔ رام دیال بہت غصے میں آتا ہے اور انہیں واپس جانے کو کہتا ہے۔ جذباتی حالت کی وجہ سے اسے دل کا دورہ پڑا ہے۔ ڈاکٹر رام دیال اس کے غیر انسانی رویے کی وجہ سے اسے نظر انداز کر کے جانے لگتا ہے تو کمل اس کے قدموں پر گر جاتا ہے اور اس سے مدد مانگتا ہے۔ بلو بھی اشاروں سے یہی کہتی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہے۔ تو ڈاکٹر رام دیال کی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس سے متاثر ہو کر رام دیال کے ذہن میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ وہ نہ صرف انہیں فلیٹ دیتا ہے بلکہ ان سب کو بھی واپس بلاتا ہے جنہیں اس نے مسترد کر دیا ہے۔

یہ پہلے ہی واضح ہے کہ کرشن چندر اس ڈرامے کی بنیاد کو ایک اہم مسئلے کی طرف پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ عصری زندگی کی حقیقی تصویریں پیش کرتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ معاشرے پر ایسی تیز ضربیں لگاتے ہیں جن سے بچا نہیں جا سکتا۔

موضوعی طور پر، ''دروازے کھول دو'' ایک بامقصد ڈراما ہے۔ کیونکہ اس میں کرشن چندر ان لوگوں پر کڑی تنقید کرتے ہیں جو قومی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ہیں جیسے کہ مذہبی معاملات، طبقاتی تقسیم، زبان سے پیدا ہونے والے تنازعات، رسوم و رواج کی اندھی تقلید اور رنگ ذات پات اور علاقائی تقسیم، ان سب کے خلاف کرشن چندر بغاوت کو بلند کرتے ہوئے ہندوستانیوں کو محبت کا راستہ اختیار کرنے اور انسانیت کی قدر کو پہچاننے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور اس راستے پر چل کر انسان نیکی کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔

اس ڈرامے کے واقعات کی ترتیب اور کرداروں کے عمل سے یہ بھی واضح ہے کہ کرشن چندر تمام عقیدوں کو رد کرتے ہوئے اسے عقل و شعور اور قومی ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ کمل کانت، کریم اللہ سائنسدان، بیگم کریم اللہ، منن اور ڈاکٹر کوئیلیو کے مکالمے ذہانت اور شعور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس ڈرامے کا اختتام اور رام دیال کی ذہنی تبدیلی بھی متاثر کن اور حیران کن ہے۔

کرشن چندر کا کمال یہ ہے کہ اس نے ان قومی مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جو متوسط اور نچلے طبقے کی زندگی کے ذریعے معاشرے میں بیماری کی طرح پھیل رہے تھے۔ اس ڈرامے کے تانے بانے طبقات کے عقائد و توہمات، رسوم و رواج اور روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات و حادثات سے تیار کیے گئے ہیں۔ مناسب پناہ گاہ کا حصول بھی ایک بڑا مسئلہ ہے، جو تعصب سے جڑا ہوا ہے۔ کرشن چندر نے اس قومی مسئلے پر نچلے طبقے کے عقائد اور تعصبات سے روشنی ڈالی ہے جو آج بھی ایک خطرناک مسئلہ بن چکا ہے۔

ابسن کے بھوتوں کی طرح کرشن چندر بھی علامتی انداز استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح بھوت کے عنوان سے وہ روایات، عقائد اور تعصبات مراد ہیں جو ابسن کے ڈرامے کے کرداروں کی زندگی کو چاٹتے ہیں۔ اس طرح یہاں ''دروازے کھول دو'' کا مطلب ہے تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے ذہن کے دروازے کھولنا اور نئی زندگی اور نئے زمانے کے تقاضوں کو قبول کرنے کے لیے فرسودہ رسم و رواج اور تعصّبات سے نجات حاصل کرنا ہے۔ تاکہ ہندوستان ایک مضبوط ملک بن سکے۔ اس کی اہمیت اس وقت نظر آتی ہے جب رام دیال ڈرامے کے آخر میں ڈرامائی تبدیلی کے بعد سب کو کہتے ہیں :

> "۔۔۔تم یہ چابیاں لے لو، کمل ! اور میرے گھر کے سارے دروازے کھول دو اس بلڈنگ کا نقشہ ایک بنگالی انجینئر نے بنایا ہے۔ راجستان کے مزدوروں نے اس میں اینٹیں لگائی ہیں۔ ملیالوں نے اس کو روغن دیا ہے، پنجابی بڑھئی نے اس کے دروازے اور کھڑکیاں بنائی ہیں۔۔۔ تم اب اس گھر کے سارے دروازے کھول دو۔۔۔ اب یہ گھر اکیلے پنڈت رام دیال کا نہیں ہے۔ یہ گھر تم سب کا ہے۔"(2)

پلاٹ میں پیش کیے گئے تمام واقعات روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں بھی آج لوگ اس کا شکار ہیں۔ کہیں مذہب کی تقسیم اور کہیں دوسرے طبقاتی اور علاقائی تعصّبات ہمیں ایک دوسرے سے دور لے جا رہے ہیں۔ کرشن چندر نے اس خطرے کو قوم پر حاوی ہوتے دیکھ کر ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے حقیقت پسندی اور بے باکی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس قومی مسئلے کی بے باکی خاص طور پر اس وقت نظر آتی ہے جب رام دیال کا بیٹا کمل کانت اپنے والد کی حرکتوں سے تنگ آ کر اسے کہتا ہے :

> "آپ بھی تو غضب کرتے ہیں پتاجی، آخر آپ اس بلڈنگ میں رکھیں گے تو کسے رکھیں گے ؟ ایک بیوی والا مسلمان آپ نہیں رکھیں گے۔ اردو بولنے والا آپ کو پسند نہیں۔ ماس مچھلی کھانے والے آپ نہیں چاہتے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

پیاز لہسن والا آپ نہیں چاہتے۔ پنجابی کو آپ نہیں رکھیں گے، بنگالی کو آپ نہیں رکھیں گے۔ ملیالی کو آپ نہیں رکھیں گے۔ آخر آپ رکھیں گے تو کس کو رکھیں گے اس گھر میں۔ آدھا ہندوستان تو جات باہر کر دیا آپ نے۔"(3)

دقیانوسی تصورات اور فرسودہ اخلاقیات کی تشریح کو کرشن چندر نے کمل ہی کے ذریعے سے اجاگر کیا ہے۔ جب کمل نے پوچھا تو رام دیال کہتا ہے کہ اس گھر میں صرف وہی رہ سکتا ہے جو مریادوادی ہو اور جس کا ہماری قدیم سبھیتا اور سنسکرت میں گرو ہو، کمل نے اس کے جواب میں اپنے والد سے کہا: مجھے اور اس ملک میں رہنے والے ہر شخص کو دیکھیں۔ لیکن یہ فسق و فجور کا وقت نہیں ہے۔ سے، سبھیتا اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ اس ملک میں پہلے نیگرو آئے پھر دراوڑی آئے، پھر آریہ آئے، پھر منگول آئے، مسلمان آئے پھر انگریز آئے اور اب ایٹم بم آنے والا ہے۔ اس دنیا میں ہر طرح کے جانور رہتے ہیں اور ہر کوئی اپنی زبان بولتا ہے اور آپ سب پر ایک رنگ، ایک مذہب کی پابندی نہیں لگا سکتے۔

اس ڈرامے کی حقیقت پسندی ہی اسے عروج دیتی ہے۔ یہاں بھی کرشن چندر کمل کانت کے ذریعے ہندوستانی عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق خود کو بدلنا بہت ضروری ہے۔ فرد اور معاشرے دونوں کی ترقی اسی میں مضمر ہے۔ یہی حقیقت ہے کہ ڈرامے کے آخر میں کرشن چندر رام دیال کو بدلنے اور اپنے گھر کے بند دروازے سب کے لیے کھولنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ڈرامے کے آخر میں رام دیال کی تبدیلی بھی کرشن چندر کے اس یقین کا ثبوت دیتی ہے کہ انسان اپنی مرضی، فیصلے اور عمل سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب بالآخر رام دیال اپنی مرضی اور فیصلے پر عمل کرتا ہے تو کمل کنج کے تمام دروازے سب کے لیے کھل جاتے ہیں۔ رام دیال کے نفرت انگیز رویے کے باوجود جب ایک عیسائی ڈاکٹر نے اس کی جان بچائی، تو یہ واقعہ جہالت کے اندھیرے کو مٹا دیتا ہے جو رام دیال کے ذہن پر برسوں سے چھایا ہوا تھا۔ اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کہ پرامن اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے انسانی آزادی کا احترام ضروری ہے ورنہ کوئی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

کلاسیکی اصولوں کو پلاٹ کی ترتیب بنانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور ان سے انحراف بھی کیا گیا ہے۔ یک بابی ڈراما ہونے کی وجہ سے کرشن چندر یہاں وقت کی وحدت اور مقام کی وحدت کا خیال رکھتے ہیں۔ حقیقت پسندانہ ڈرامے کے لیے تاثر کے ارتقاء کی ضرورت ہوتی ہے جو یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ پلاٹ میں ہر کہانی کا اپنا الگ تاثر ہے۔

پلاٹ کی تشکیل شروع، درمیان اور اختتام کے اصولوں کے مطابق کی جاتی ہے۔ کہانی دھیرے دھیرے اس مقام پر پہنچتی ہے جہاں رام دیال کو دل کا دورہ پڑتا ہے۔ اس یک جہتی کے ساتھ ڈراما اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔

ڈرامے کے تمام کردار متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے ماحول کی بیڑیاں توڑ کر جدوجہد میں مصروف نظر آتا ہے۔ پرامن ٹھکانہ تلاش کرنا ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے لیکن رام دیال کے سامنے سب ناکام ہو گئے۔ جب کریم اللہ نے سائنسدان کا راز فاش کیا تو وہ رام دیال سے کہتا ہے:

"۔۔۔ لیکن میں ہوٹل میں قیام نہیں کر سکتا۔ مجھے گھر چاہیے، میری بیوی ہے میرے دو بچے ہیں ہمیں گھر چاہیئے اس لیے ہم مکان ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور ایسا نہیں کہ اس شہر میں مکان خالی نہیں ہے۔۔۔ ایسا بھی نہیں کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔۔۔ پھر بھی مجھے گھر نہیں ملتا۔ تین ماہ سے کوشش کر رہا ہوں مگر گھر نہیں ملتا، گھر خالی ہے، اخبار میں اس کا اشتہار نکلتا ہے کہ گھر خالی ہے۔۔۔ لیکن جب مجھ سے میرا نام پوچھا جاتا ہے تو یکایک وہ گھر کہیں غائب ہو جاتا ہے کہ میرا نام کریم اللہ ہے۔ کرپارام بھر دواج نہیں ہے۔ میری

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

بیوی کا نام ساجدہ ہے ساوتری نہیں ہے۔ میرا بیٹا ہمیں امی اور ابو کہتا ہے۔ اس لیے ہمیں گھر نہیں ملے گا۔"(4)

اس میں تمام کردار عقل اور ادراک کی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور ہر مسئلے کو حل کرنے کے لیے عقل و شعور سے کام لیتے ہیں۔ رام دیال کے علاوہ باقی تمام کردار سچائی کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔

سیٹھ رام دیال اس ڈرامے کا مرکزی کردار ہے جس میں کرشن چندر نے روایت پرستی، مذہبی تنگ نظری، طبقاتی اور علاقائی منافرت کا احاطہ کیا ہے۔ وہ ملک کے اس بڑے طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے ذہن صدیوں کی اندھی تقلید سے اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ انہیں کسی بھی نئی تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار کرنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن کرشن چندر نے اسے نفرت کے بجائے شفقت اور محبت کے ذریعے تبدیلی کو قبول کرنے کی ترغیب دی، جس طرح ڈاکٹر کو ٹیلیو کا ہمدردانہ عمل سیٹھ رام دیال کی فطرت میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔

سیٹھ رام دیال کے علاوہ تمام کردار نئی روشن خیالی اور سائنسی اور صنعتی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ نئے دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے کردار کے قائل کو عملی جامہ بھی پہناتے ہیں۔ کریم اللہ ہوں یا مسز کریم اللہ، آفتاب رائے ہوں یا مسز آفتاب رائے، منّن ہوں یا ڈاکٹر کو ٹیلیو سب ہی محرکات سے گزر رہے ہیں۔ کرشن چندر اپنی نچلی ذات کے کرداروں میں بھی اس خوبی کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں رنگاچاری اور لچھو کے کردار قابل ذکر ہیں۔ دلال ہونے کی وجہ سے وہ نئی اقدار سے پوری طرح واقف ہے۔ اس لیے کبھی کبھی وہ رام دیال کا مذاق اڑاتے ہیں۔

زبان و بیان کے لحاظ سے اس ڈرامے کے زیادہ تر مکالمے صاف اور روزمرہ کی زبان کے مطابق ہیں۔ ہر کردار کو اس کے کردار سے ملتی جلتی زبان دی جاتی ہے۔

اس ڈرامے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ تناؤ سے بھرپور ہے جس کا کرشن چندر نے اس ڈرامے کی تشکیل میں بھرپور فائدہ اٹھایا ہے جو کلاسیکی ڈرامے کی خوبی ہے۔ اس ڈرامے میں کہیں ابہام بھی پیدا ہوا ہے۔ لیکن یہ اتنا مشکل نہیں کہ اسے سمجھا نہ جا سکے۔ جیسے رام دیال کے آخری مکالمے اتنے اچھے ہیں کہ حقیقت پسندی اسے برداشت نہیں کر سکتی لیکن یہ صرف ایک دو جگہوں پر ہوا۔ روایت کا استعمال بہت کم ہے۔ کرشن چندر نے اس میں مزاح کا بھی استعمال کیا ہے اور اس کی مکالمے بہت جاندار ہیں۔ کرشن چندر کے بارے میں خواجہ احمد عباس لکھتے ہیں کہ :

> "ڈراما نگار کی حیثیت سے کرشن چندر میں دو اور خوبیاں بھی ہیں جو اس ڈرامے میں نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ڈرامے میں شروع سے آخر تک پلاٹ کا سسپنس برقرار رکھتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے مکالمے بہت تیز اور معنی خیز ہیں۔ آپ ایک جملہ سنتے ہیں اور بے اختیار ہنستے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ڈراما نگار نے ایک پھل جھڑی چھوڑ دی ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ جملہ پھلجھڑی کی طرح آتشی پھول برسا کر بجھ نہیں گیا بلکہ یہ آپ کے شعور میں، آپ کے دل و دماغ میں ایک مستقل گونج پیدا کر رہا ہے۔ انسان کو معنی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"(5)

اس ڈرامے کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ کرشن چندر کا ایک شاہکار ڈراما ہے۔ اس کا عنوان ہی بتاتا ہے کہ کرشن چندر کا توسیع کا نظریہ کافی گہرا رہا ہوگا۔ قومی مسائل پر بہترین ڈراما ہے۔ آج بھی ایسی فرسودہ روایت موجود ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ذہن و دماغ کو بدلنا چاہیے تبھی تو اچھا انسان کہلانے کا مستحق ہوں گے۔ دقیانوسی تصورات کو ختم کر کے زمانے کی نئی تبدیلیوں کو قبول کیا جانا چاہیے۔

ڈرامے کی سب سے بڑی طاقت اس کے بھرپور انداز میں تیار کیے گئے کرداروں میں پنہاں ہے ہر ایک اپنے اپنے طریقے سے تقسیم کے ذاتی اور اجتماعی صدمات سے نمٹ رہا ہے۔ آزادی کے بعد کے ہندوستان کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے والے مایوس کارکن سے تعلق کے احساس کے لیے بے گھر مہاجرین کی تڑپ سے ہر کردار گہرائی اور پیچیدگی سے لبریز ہے سامعین سے ہمدردی اور خود شناسی کی دعوت دیتا ہے۔

کرشن چندر کا زبان کا شاندار استعمال ''دروازے کھول دو'' کو مزید بلند کرتا ہے، جو مکالمے کو شاعرانہ گیت اور جذباتی گونج سے متاثر کرتا ہے۔ اس کا اشتعال انگیز نثر اس دنیا کی خوبصورتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جس کی وہ تصویر کشی کرتا ہے۔ کرشن چندر کی فنکارانہ صلاحیتوں کے متعلق ڈاکٹر صفدر آہ کرشن چندر کے بارے لکھتی ہیں کہ :

"کرشن چندر کا اسٹائل تو اردو کا وہ اعجاز ہے جو نہ کرشن چندر سے پہلے کسی ادیب میں دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد آج تک نظر آیا۔"(6)

موضوعی لحاظ سے یہ ڈراما انسانی حالت کے بارے میں آفاقی سچائیوں سے جڑا ہوا ہے۔ شناخت، تعلق، تقسیم اور تنازعات سے منقطع دنیا میں معنی کی تلاش کے موضوعات کو تلاش کرتا ہے۔ اپنی طاقتور کہانی سنانے اور گہری بصیرت کے ذریعے، ''دروازے کھول دو'' اپنے تاریخی سیاق وسباق سے بالاتر ہو کر انسانیت کی لازوال جدوجہد اور امنگوں سے بات کرتا ہے۔

کرشن چندر کا ''دروازے کھول دو'' اردو ڈرامے کی دنیا میں ایک شاندار تخلیق ہے، جو مصیبت کے عالم میں انسانی تجربے پر گہرا مراقبہ پیش کرتا ہے۔ اپنے زبردست کرداروں، گیت کی زبان، اور لازوال موضوعات کے ساتھ یہ کہانی سنانے کی پائیدار طاقت کے ثبوت کے طور پر سامعین کے ساتھ گونجتا رہتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ کرشن چندر، دروازے کھول دو، مکتبہ جامعہ دہلی، 1963، ص 87

2۔ ایضاً، ص 74/73

3۔ ایضاً، ص 45/44

4۔ ایضًا، ص 21/20

5۔ ایضاً، ص 86

6۔ صفدر آہ، ڈاکٹر، ادب نکھار، کرشن چندر نمبر، اگست- ستمبر 1977، ص 36